اُداس

ہونے کے دِن نہیں ہیں

نوشی گیلانی

جہانگیر بکڈپو اُردو بازار لاہور

فہرست

گلابی روشنیوں کی بشارت	نوشی گیلانی	13
بہ احتیاط عقیدت بہ چشم تر کہنا		17
اک پشیمان سی حسرت سے مجھے سوچتا ہے		19
دشمن جاں کئی قبیلے ہوئے		21
کچھ بھی کر گزرنے میں دیر کتنی لگتی ہے		23
ہجر کی شب میں قید کرے یا صبح وصال میں رکھے		25
کون روک سکتا ہے (نظم)		27
بند ہوتی کتابوں میں اڑتی تتلیاں ڈال دیں		29
ایک شعر		30

یہ میری عمر مرے ماہ و سال دے اس کو 31
پوچھ لو پھول سے کیا کرتی ہے 33
کون بھنور میں ملاحوں سے اب تکرار کرے گا 35
منفرد سا کوئی پیرایہ فن چاہتی ہے 37
اب یہ بات مانی ہے 39
حیرت (نظم) 41
ایک شعر 42
ورثہ (نظم) 43
بس اپنے ساتھ رہنا چاہتی ہوں 45
نادیدہ رفاقت میں (نظم) 47
ایک شعر 50
یہی نہیں کوئی طوفاں مری تلاش میں ہے 51
تجھ سے اب اور محبت نہیں کی جا سکتی 53
دل تھا کہ خوش خیال تجھے دیکھ کر ہوا 55
ہر جانب ویرانی بھی ہو سکتی ہے 57
چپ نہ رہتے بیان ہو جاتے 59
انحراف (نظم) 61
ایک شعر 62
شام تنہائی میں (نظم) 63
مجھے موت دے کہ حیات دے 65
آئندہ کبھی اس سے محبت نہیں کی جائے 67
خامشی سے ہاری میں 69
یہ نام ممکن نہیں رہے گا مقام ممکن نہیں رہے گا 71
اندیشوں کے شہر میں رہنا پڑ جائے گا 73
ایک شعر 74
عشق کرو تو یہ بھی سوچو عرض سوال سے پہلے 75
یہ دل بھلاتا نہیں ہے محبتیں اس کی 77
موت سے مکر جائیں 79
اب اپنے فیصلے پر خود الجھنے کیوں لگی ہوں 81
اب کس سے کہیں اور کون سنے جو حال تمہارے بعد ہوا 83
میں کن لوگوں میں ہوں کیا لکھ رہی ہوں 85
گریز شب سے سحر سے کلام رکھتے تھے 87
بہت تاریک صحرا ہو گیا ہے 89
تمہیں خبر ہی نہیں کیسے سر بچایا ہے 91
قبولیت کا گلہ نہیں ہے 93
لہو تک آنکھ سے اب بہہ لیا ہے 95
حصار لفظ و بیاں میں گم ہوں 97
دل کی منزل اس طرف ہے گھر کا رستہ اس طرف 99
محبت یاد رکھتی ہے (نظم) 101
خواب (نظم) 103
ایک شعر 104
ضمیر عالم انسانیت (نظم)

مجھ کو رسوا سرِ محفل تو نہ کروایا کرے 107
یہ عمر بھر کا سفر اور یہ رائیگانی تری 109
ہمارے بس میں اگر اپنے فیصلے ہوتے 111
تہمتیں تو لگتی ہیں (نظم) 113
کل اثاثہ تھا اک دیا لوگو 115
کیا بتائیں کیوں دیے دمساز نے 117
لطف سوگواری میں 119
پلٹ کر پھر کبھی اس نے پکارا ہی نہیں ہے 121
محبت کم نہیں ہوگی (نظم) 123
ہجر سینے کی غم شناسی کی 125
ایک شعر 126
عمر رائیگاں کر دی تب یہ بات مانی ہے 127
بشارت (نظم) 129
تم سے کچھ نہیں کہنا (نظم) 131
آخری خواہش (نظم) 133
ایک شعر 134
میری آنکھوں کو سوجھتا ہی نہیں 135
یہ کیا بے نام الجھن ہے (نظم) 137
ایک شعر 140
اشک اپنی آنکھوں سے خود بھی ہم چھپائیں گے 141
لفظ بھی کوئی اس کا ساتھ نہ دیتا تھا 143
یہ گئے دنوں کا ملال ہے (نظم) 145
جانے کیسے سنبھال کر رکھے 147
بدن کی سرزمین پر تو حکمران اور ہے 149
کوئی نظم ایسی لکھوں کبھی (نظم) 151
ایک شعر 154
ہر اک لمحہ نیا اک امتحاں ہے 155
راستوں میں رہے نہ گھر میں رہے 157
متفرق اشعار 159

گلابی روشنیوں کی بشارت

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہَوا میری سہیلی تھی اور میرے رخساروں پر اپنے نرم ہاتھ رکھ کر اسمِ آگہی یاد کراتی ---------- پھر زرد پھولوں کی بارش سے لے کر گلابی روشنیوں کی بشارت تک کا سارا سفر میں نے اسی کی پہلودار رفاقت میں طے کیا۔

یہ اور بات ہے کہ اس سفر میں کبھی کبھی یوں بھی محسوس ہوا جیسے میرا دل لمبی پرواز سے تھکی ہاری چڑیا کی مانند دھڑک رہا ہے' پیشانی پر مشقت کے پسینے کے نادیدہ قطرے انگارے بن گئے ہیں' پروں سے طاقتِ پرواز روٹھ چکی ہے' آسمانوں پر اذنِ سفر کا نقّارہ بھی گنگ ہے اور افق پر ہجرتوں کی سرخ آندھی کا غبار ٹھہر گیا ہے ------------ اس پر تکان کیفیت کے باوجود بھی میں جستجوئے وصالِ ذات کی اک شاخِ بے نمو پر آن بیٹھتی' چند لمحوں کو سہی مگر ساری عمر گزار دینے کی خواہش سے لبریز۔

خواہش سے لبریز ایسے ہی موسمِ خوش خیال میں سُرخروئی کا نشہ وارد ہوتا اور ایسا لگنے لگتا کہ جیسے آج عشق نے پتھر سے نمی مانگ لی' انا کے دریا کا بند ٹوٹ گیا اور محبت کی وادی کے تمام دکھ بہا کے لے گیا' فلک بوس غرور زمین بوس ہو

گیا' پہاڑ سے آبشار پھوٹ پڑی' شبنم نے الاؤ کو مسخر کر لیا' ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ تیرہ و تار راتوں کو منور کر گیا' خوشبو کا جھونکا محبوس جسموں اور دماغوں کو معطر کر گیا' پنچھی قفس میں پھڑپھڑا کر پر سکون ہو گیا' ایک کلی مسکرانے کی ابدی جزا پا گئی' ایک زخم شفیق پوروں کی جراحی سے شفایاب ہو گیا---- شاید یہ عالم جنوں تھا یا لمحہ ادراک' جو بھی تھا میلے میں اکیلا کر دیتا تھا

میلے میں اکیلا تو عشق بھی کر دیتا ہے' اہل عشق --------- کہ جن کے سینوں کے اندر ہمہ وقت 'ایک صف ماتم بچھی ہوتی ہے' جہاں آرزوئیں آنکھوں میں آنسو لیے' بال بکھرائے' سینہ کوبی پہ مجبور بین کرتی نظر آتی ہیں اور پھر یہی آزردگی جب حرف و معنی اوڑھ لے تو شاعری کہلاتی ہے مکتب عشق کے صوفیوں کو خبر ہے کہ جو عشق میں دیانتدار نہیں وہ شاعری میں دیانتدار نہیں۔

شاعری جو میرا یقین ہے کئی بار جی چاہتا ہے کہ یقین کی اس پوٹلی کو ہاتھ میں لے کر تنہائی کے جنگل میں جا نکلوں جہاں وحشی خوشبوؤں کا راج ہو ---------- ہتھیلیوں کی تقدیر بدلتی خوشبو ---------- آنکھوں کی روشنی بکھیرتی خوشبو ---------- سینوں کی محصور کرتی خوشبو ---------- ہونٹوں کی شعر کہتی خوشبو ----------

یہی خوشبو تو ہے جو محسوسات کو پتھر کر دینے والی رزق کی دوڑ میں مگن اس لڑکی کے پیروں میں حرف و معنی کی جھانجھریں ڈال دیتی ہے جن کی چھن چھن اسے اس کے ہونے کا احساس دلاتی ہے اور روح مسکرا کر پکار اٹھتی ہے ---------- "اداس ہونے کے دن نہیں ہیں"

یہ جو ہماری روح ہے نا! یہ چاندی کے کٹورے کی مانند ہوتی ہے جس میں ذات سے باہر کے تعصبات کی ذرا سی بھی گرد ٹھہر جائے تو وجدان کا سپید میٹھا

دودھ گدلا اور بے لذت ہو جاتا ہے۔

بے لذت تو زندگی بھی ہو جاتی ہے جب کچھ طبقات اپنے اور خلق کے ذہن و بدن کے لئے ان دیکھی زنجیروں کا انتظام کرنے میں منہمک رہتے ہیں اور پھر آزادی کی قدرتی تنظیم و توانائی کے لطف کی فضا سے محروم ہوتے اور کرتے چلے جاتے ہیں۔

فضا تو وہ بھی کیسی دل میں اتر جانے والی ہوتی ہے جب سردیوں کی کیسی گہری اداس شب میں سنہرے الاؤ کے گرد کوئی دعا جیسی صحرائی آواز محبت کے درد میں ڈوبی پر وقار سچائی کا اہتمام کر رہی ہوتی ہے ------- تب آسمان پر گونجیں گواہی دیتی ہیں کہ انسان کی فطری سرکشی اس کے بدن سے ہجرت کر رہی ہے' انحراف اثبات میں بدل گئے ہیں' سر تسلیم خم ہو چکے ہیں' سجدے نیکیوں کی صورت جبین نیاز پر اتر رہے ہیں۔

اور سئیں خواجہ فرید کی کافی حرف حرف ثواب بنتی چلی جاتی ہے۔

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں ‏   میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈی روح وی توں ‏   میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں ‏   میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈی وحشت جوش جنون وی توں ‏   میڈا گریہ آہ و فغان وی توں
جے یار فرید قبول کرے ‏   سرکار وی توں سلطان وی توں

نوشی گیلانی

زمانے والوں سے چھپ کے رونے کے دن نہیں ہیں
اسے یہ کہنا اداس ہونے کے دن نہیں ہیں
میں جان سکتی ہوں وصل میں اصل بھید کیا ہے
مگر حقیقت شناس ہونے کے دن نہیں ہیں

بہ احتیاطِ عقیدت بہ چشمِ تر کہنا
صبا حضورؐ سے حالِ دل و نظر کہنا!

حصارِ جبر میں ہوں اور یہاں سے بھی ہجرت
میں جانتی ہوں کہ ممکن نہیں مگر، کہنا

میں خاکِ شہرِ مدینہ پہن کے جب نکلوں
تو مجھ سے بڑھ کے کوئی ہو گا معتبر کہنا

یہ عرض کرنا کہ آقا مری بھی سن لیجے
بجز تمہارے نہیں کوئی چارہ گر کہنا

میں اپنی پلکوں سے لکھتی ہوں حرفِ نامِ رسولؐ
مجھے بھی آ گیا لکھنے کا اب ہنر کہنا

یہ کہنا اب تو ہمیں تابِ انتظار نہیں
کہ ہم کریں گے مدینے کا کب سفر کہنا

اک پشیمان سی حسرت سے مجھے سوچتا ہے
اب وہی شہر محبت سے مجھے سوچتا ہے

مَیں تو محدود سے لمحوں میں ملی تھی اس سے
پھر بھی وہ کتنی وضاحت سے مجھے سوچتا ہے

جس نے سوچا ہی نہ تھا ہجر کا ممکن ہونا
دکھ میں ڈوبی ہوئی حیرت سے مجھے سوچتا ہے

مَیں تو مر جاؤں اگر سوچنے لگ جاؤں اسے
اور وہ کتنی سہولت سے مجھے سوچتا ہے

گرچہ اب ترکِ مراسم کو بہت دیر ہوئی
اب بھی وہ میری اجازت سے مجھے سوچتا ہے

کتنا خوش فہم ہے وہ شخص کہ ہر موسم میں
اک نئے رخ نئی صورت سے مجھے سوچتا ہے

دشمنِ جاں کئی قبیلے ہوئے
پھر بھی خوشبو کے ہاتھ پیلے ہوئے

بدگمانی کے سرد موسم میں
میری گڑیا کے ہاتھ نیلے ہوئے

جب زمیں کی زباں چٹخنے لگی
تب کہیں بارشوں کے حیلے ہوئے

وقت نے خاک وہ اڑائی ہے
شہر آباد تھے جو ٹیلے ہوئے

جب پرندوں کی سانس رکنے لگی
تب ہواؤں کے کچھ وسیلے ہوئے

کوئی بارش تھی بدگمانی کی
سارے کاغذ ہی دل کے گیلے ہوئے

کچھ بھی کر گزرنے میں دیر کتنی لگتی ہے
برف کے پگھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

اس نے ہنس کے دیکھا تو مسکرا دیے ہم بھی
ذات سے نکلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

ہجر کی تمازت سے وصل کے الاؤ تک
لڑکیوں کے جلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

بات جیسی بے معنی بات اور کیا ہو گی
بات سے مکرنے میں دیر کتنی لگتی ہے

زعم کتنا کرتے ہو اک چراغ پر اپنے
اور ہوا کے چلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

جب یقیں کی بانہوں پر شک کے پاؤں پڑ جائیں
چوڑیاں بکھرنے میں دیر کتنی لگتی ہے

ہجر کی شب میں قید کرے یا صبحِ وصال میں رکھے
اچھا مولا ! تیری مرضی تو جس حال میں رکھے

کھیل یہ کیسا کھیل رہی ہے دل سے تری محبت
اک پل کی سرشاری دے اور دنوں ملال میں رکھے

میں نے ساری خوشبو میں آنچل سے باندھ کے رکھیں
شاید ان کا ذکر تو اپنے کسی سوال میں رکھے

کس سے تیرے آنے کی سرگوشی کو سنتے ہی
میں نے کتنے پھول چنے اور اپنی شال میں رکھے

مشکل بن کر ٹوٹ پڑی ہے دل پر یہ تنہائی
اب جانے یہ کب تک اس کو اپنے جال میں رکھے

کون روک سکتا ہے

لاکھ ضبطِ خواہش کے
بے شمار دعوے ہوں
اس کو بھول جانے کے
بے پناہ ارادے ہوں
اور اس محبت کو ترک کر کے جینے کا
فیصلہ سنانے کو
کتنے لفظ سوچے ہوں
دل کو اس کی آہٹ پر
برملا دھڑکنے سے کون روک سکتا ہے

پھر وفا کے صحرا میں
اس کے نرم لہجے اور سوگوار آنکھوں کی
خوشبوؤں کو چھونے کی
جستجو میں رہنے سے
روح تک پگھلنے سے
ننگے پاؤں چلنے سے
کون روک سکتا ہے
آنسوؤں کی بارش میں
چاہے دل کے ہاتھوں میں
ہجر کے مسافر کے
پاؤں تک بھی چھو آؤ
جس کو لوٹ جانا ہو
اس کو دور جانا ہے
راستہ بدلنے سے
دور جا نکلنے سے
کون روک سکتا ہے

بند ہوتی کتابوں میں اُڑتی ہوئی تتلیاں ڈال دیں
کس نے رسموں کی جلتی ہوئی آگ میں لڑکیاں ڈال دیں

خوف کیسا ہے یہ نام اس کا کہیں زیرِ لب بھی نہیں
جس نے ہاتھوں میں میرے ہرے کانچ کی چوڑیاں ڈال دیں

ہونٹ پیاسے رہے، حوصلے تھک گئے عمر صحرا ہوئی
ہم نے پانی کے دھوکے میں پھر ریت پر کشتیاں ڈال دیں

موسمِ ہجر کی کیسی ساعت ہے یہ دل بھی حیران ہے
میرے کانوں میں کس نے تری یاد کی بالیاں ڈال دیں

خواہش کے اظہار سے ڈرنا سیکھ لیا ہے
دل نے کیوں سمجھوتہ کرنا سیکھ لیا ہے

یہ میری عمر مرے ماہ و سال دے اُس کو
مرے خدا مرے دکھ سے نکال دے اُس کو

وہ چپ کھڑا ہے کئی دن سے تیری خاطر تو
کواڑ کھول دے اذنِ سوال دے اُس کو

عذاب بدنظری کا جسے شعور نہ ہو
یہ میری آنکھیں، مرے خدوخال دے اُس کو

یہ دیکھنا شبِ ہجراں کہ کس کی دستک ہے
وصال رت ہے اگر وہ تو ٹال دے اُس کو

وہ جس کا حرفِ دعا روشنی ہے میرے لئے
میں بجھ بھی جاؤں تو مولا اجال دے اُس کو

پوچھ لو پھول سے کیا کرتی ہے
کبھی خوشبو بھی وفا کرتی ہے

خیمۂ دل کے مقدر کا یہاں
فیصلہ تیز ہوا کرتی ہے

بے رخی تیری، عنایت تیری
زخم دیتی ہے، دوا کرتی ہے

تیری آہٹ مری تنہائی کا
راستہ روک لیا کرتی ہے

روشنی تیرا حوالہ ٹھہرے
میری ہر سانس دعا کرتی ہے

میری تنہائی سے خاموشی تری
شعر کہتی ہے، سنا کرتی ہے

کون بھنور میں ملاحوں سے اب تکرار کرے گا
اب تو قسمت سے ہی کوئی دریا پار کرے گا

سارا شہر ہی تاریکی پر کیوں خاموش رہا تو
کون چراغ جلانے کے پیدا آثار کرے گا

جب اس کا کردار تمہارے سچ کی زد میں آیا
لکھنے والا شہر کی کالی، ہر دیوار کرے گا

جانے کون سی دھن میں تیرے شہر میں آ نکلے ہیں
دل تجھ سے ملنے کی خواہش اب سو بار کرے گا

دل میں تیرا قیام تھا لیکن اب یہ کسے خبر تھی
دکھ بھی اپنے ہونے پر اتنا اصرار کرے گا

منفرد سا کوئی پیرایۂ فن چاہتی ہے
زندگی ایک نیا طرزِ سخن چاہتی ہے

روح کی بے سرو سامانی سے باہر آ کر
شاعری اپنے لئے ایک بدن چاہتی ہے

ہر طرف کتنے ہی پھولوں کی بہاریں ہیں یہاں
پر طبیعت وہی خوشبوئے وطن چاہتی ہے

سانس لینے کو بس اک تازہ ہوا کا جھونکا
زندگی سے وہ کہاں سرو و سمن چاہتی ہے

دور جا کر در و دیوار کی رونق سے کہیں
ایک خاموش سا اجڑا ہوا بن چاہتی ہے

اب یہ بات مانی ہے
وصل رائیگانی ہے

اس کی درد آنکھوں میں
ہجر کی کہانی ہے

جیت جس کسی کی ہو
ہم نے ہار مانی ہے

چوڑیاں بکھرنے کی
رسم یہ پرانی ہے

عمر کے جزیرے پر
غم کی حکمرانی ہے

مل گیا تو وحشت کی
داستاں سنانی ہے

ہجرتوں کے صحرا کی
دل نے خاک چھانی ہے

حیرت

نہ گفتگو کا کمال آہنگ
نہ بات کے بے مثال معنی
نہ خال و خد میں وہ جاذبیت
جو جسم و جاں کو اسیر کر لے
نہ مشترک کوئی عکس خواہش
مگر یہ کیا ہے
میں کس کی خاطر
وفا کے رستوں پہ لکھ رہی ہوں
مسافرت کی نئی کہانی

میں بددعا تو نہیں دے رہی ہوں اس کو مگر
دعا یہی ہے اسے مجھ سا اب کوئی نہ ملے

ورثہ

بیٹیاں بھی تو ماؤں جیسی ہوتی ہیں
ضبط کے زرد آنچل میں اپنے
سارے درد چھپا لیتی ہیں
روتے روتے ہنس پڑتی ہیں
ہنستے ہنستے دل ہی دل میں رو لیتی ہیں
خوشی کی خواہش کرتے کرتے
خواب اور خاک میں اٹ جاتی ہیں
سو حصوں میں بٹ جاتی ہیں

گھر کے دروازے پر بیٹھی
امیدوں کے ریشم بنتے--- ساری عمر گنوا
دیتی ہیں

میں جو گئے دنوں میں
ماں کی خوش فہمی پہ ہنس دیتی تھی
اب خود بھی تو
عمر کی گرتی دیواروں سے ٹیک لگائے
فصل خوشی کی بوتی ہوں
اور خوش فہمی کاٹ رہی ہوں
جانے کیسی رسم ہے یہ بھی
ماں کیوں بیٹی کو ورثے میں
اپنا مقدر دے دیتی ہے

○

بس اپنے ساتھ رہنا چاہتی ہوں
میں اب تجھ سے مکرنا چاہتی ہوں

میں اپنی عمر کے سارے اثاثے
نئے ڈھب سے برتنا چاہتی ہوں

یہ دل پھر تیری خواہش کر رہا ہے
مگر میں دُکھ سے بچنا چاہتی ہوں

کوئی حرفِ وفا ناں حرف سادہ
میں خاموشی کو سننا چاہتی ہوں

میں بچپن کے کسی لمحے میں رُک کر
کوئی جگنو پکڑنا چاہتی ہوں

نادیدہ رفاقت میں

کچھ بھی تو نہیں ویسا
جیسا تجھے سوچا تھا
جتنا تجھے چاہا تھا

سوچا تھا ترے لب پر
کچھ حرف دعاؤں کے
کچھ پھول وفاؤں کے
مہکیں گے مری خاطر
کچھ بھی تو نہیں ویسا
جیسا تجھے سوچا تھا

محسوس یہ ہوتا ہے
دکھ جھیلے تھے جو اب تک
بے نام مسافت میں
لکھنے کی محبت میں
پڑھنے کی ضرورت میں
بے سود ریاضت تھی
بے فیض عبادت تھی
جو خواب بھی دیکھے تھے
ان جاگتی آنکھوں نے
سب خام خیالی تھی
پھر بھی تجھے پانے کی
دل کے کسی گوشے میں
خواہش تو بچالی تھی
لیکن تجھے پا کر بھی
اور خود کو گنوا کر بھی
اس حبس کے موسم کی کھڑکی سے ہوا آئی
نہ پھول سے خوشبو کی کوئی بھی صدا آئی
اب نیند ہے آنکھوں میں

ناں دل میں وہ پہلی سی تازہ سخن آرائی
ناں لفظ مرے نکلے
ناں حرف و معانی کی دانش مرے کام آئی
نادیدہ رفاقت میں
جتنی بھی اذیت تھی
سب میرے ہی نام آئی
کچھ بھی تو نہیں ویسا
جیسا تجھے سوچا تھا
جتنا تجھے چاہا تھا

اِتنے بچّے کیوں ہوتے ہیں
بچّے اچھّے کیوں ہوتے ہیں

یہی نہیں کوئی طوفاں مری تلاش میں ہے
کہ موسمِ غمِ جاناں مری تلاش میں ہے

وصال رُت ہے مگر دل کو ایسا لگتا ہے
ستارۂ شبِ ہجراں مری تلاش میں ہے

میں فیصلے کی گھڑی سے گزر چکی ہوں مگر
کسی کا دیدۂ حیراں مری تلاش میں ہے

یہ بے یقین سی آسودگی بتاتی ہے
کہ ایک قریۂ ویراں مری تلاش میں ہے

میں تیرگی میں محبت کی اک کہانی ہوں
کوئی چراغ سا عنواں مری تلاش میں ہے

یہ کیسا خواب تھا دھڑکا سا لگ گیا دل کو
کہ ایک شخص پریشاں مری تلاش میں ہے

تجھ سے اب اور محبت نہیں کی جا سکتی
خود کو اتنی بھی اذیت نہیں دی جا سکتی

جانتے ہیں کہ یقیں ٹوٹ رہا ہے دل پر
پھر بھی اب ترک یہ وحشت نہیں کی جا سکتی

حبس کا شہر ہے اور اس میں کسی بھی صورت
سانس لینے کی سہولت نہیں دی جا سکتی

روشنی کے لئے دروازہ کھلا رکھنا ہے
شب سے اب کوئی اجازت نہیں لی جا سکتی

عشق نے ہجر کا آزار تو دے رکھا ہے
اس سے بڑھ کر تو رعایت نہیں دی جا سکتی

دل تھا کہ خوش خیال تجھے دیکھ کر ہُوا
یہ شہر بے مثال تجھے دیکھ کر ہُوا

اپنے خلاف شہر کے اندھے ہجوم میں
دل کو بہت ملال تجھے دیکھ کر ہُوا

طولِ شبِ فراق تری خیر ہو کہ دل
آمادۂ وصال تجھے دیکھ کر ہُوا

یہ ہم ہی جانتے ہیں جدائی کے موڑ پر
اس دل کا جو بھی حال تجھے دیکھ کر ہُوا

آئی نہ تھی کبھی مرے لفظوں میں روشنی
اور مجھ سے یہ کمال تجھے دیکھ کر ہُوا

بچھڑے تو جیسے ذہن معطّل سا ہو گیا
شہرِ سخن بحال تجھے دیکھ کر ہُوا

پھر لوگ آ گئے مرا ماضی کُریدنے
پھر مجھ سے اک سوال تجھے دیکھ کر ہُوا

ہر جانب ویرانی بھی ہو سکتی ہے
صبح کی رنگت دھانی بھی ہو سکتی ہے

جب کشتی ڈالی تھی کس نے سوچا تھا
دریا میں طغیانی بھی ہو سکتی ہے

نئے سفر کے نئے عذاب اور نئے گلاب
صورتِ حال پرانی بھی ہو سکتی ہے

ہر پل جو دل کو دہلائے رکھتی ہے
کچھ بھی نہیں حیرانی بھی ہو سکتی ہے

سفر ارادہ کر تو لیا پر رستوں میں
رات کوئی طوفانی بھی ہو سکتی ہے

اس کو میرے نام سے نسبت ہے لیکن
بات یہ آنی جانی بھی ہو سکتی ہے

چپ نہ رہتے بیان ہو جاتے
تجھ سے گر بدگمان ہو جاتے

ضبطِ غم نے بچا لیا ورنہ
ہم کوئی داستان ہو جاتے

تو نے دیکھا نہیں پلٹ کے ہمیں
ورنہ ہم مہربان ہو جاتے

تیرے قصے میں ہم بھلا خود سے
کس لئے بدگمان ہو جاتے

تیرے دل کی زمین ہی نہ ملی
ورنہ ہم آسمان ہو جاتے

انحراف

بہت تاخیر سے لیکن
کھلا یہ بھید خود پر بھی
کہ میں اب تک
محبت جان کر جس
جذبۂ دیرینہ کو اپنے لہو سے سینچتی آئی
وہ جس کی ساعتِ صد مہرباں ہی زندگی کی شرط ٹھہری تھی
فقط اک شائبہ ہی تھا محبت کا
یونہی عادت تھی ہر رستے پہ اس کے ساتھ چلنے کی
وگرنہ ترکِ خواہش پر
یہ دل تھوڑا سا تو دُکھتا
ذرا سی آنکھ نم ہوتی

جس طرح ماں کی دعا ہوتی ہے
شاعری ردِّ بلا ہوتی ہے

شامِ تنہائی میں

اب بھی شاعر رہوں
کس کی خاطر رہوں
کون ہے جو مرے لفظ و معنی کی آنکھوں سے بہتے ہوئے
آنسوؤں میں چھپے درد چنتا پھرے
خواب بنتا پھرے
کون ہے جو مرے خون ہوتے ہوئے دل کی آواز پر
اپنی آواز کے ہونٹ رکھتا پھرے
کون آنکھیں مری دیکھ کر یہ کہے
"کیا ہوا جانِ جاں
کب سے سوئی نہیں
اس سے پہلے تو تم اتنا روئی نہیں

اب بھلا کس لئے خوبصورت سی آنکھیں پریشان ہیں
اپنی حالت پہ خود اتنی حیران ہیں"

کون بے چین ہو
کون بے تاب ہو
موسم ہجر کی شام تنہائی میں

آبلہ پائی میں
کون ہو ہم سفر، گرد ہے رہگزر
کوئی رستہ نہیں کوئی راہی نہیں
در پہ دستک کی کوئی گواہی نہیں
دل کے ویران و برباد صفحات پر
جس قدر لفظ لکھے تھے بے کار ہیں
ایک لمبی جدائی کے آثار ہیں

سوچتی ہوں کہ اب
ان خیالوں سے خوابوں سے باہر رہوں
کیوں میں شاعر رہوں
کس کی خاطر رہوں

مجھے موت دے کہ حیات دے
مرے بے ہنر مرا سات دے

مری پیاس صدیوں کی پیاس ہے
مرے کربلا کو فرات دے

مرے رتجگوں کے حساب میں
کوئی ایک نیند کی رات دے

کوئی ایسا اسمِ عظیم ہو
مجھے تیرے دکھ سے نجات دے

یہ جو تیرگی ہے غرور میں
کوئی روشنی اسے مات دے

مری شاعری کے نصیب میں
کوئی ایک حرفِ ثبات دے

آئندہ کبھی اس سے محبت نہیں کی جائے
کی جائے تو پھر اس کی شکایت نہیں کی جائے

اس معرکۂ عشق میں اے اہلِ محبت
آساں ہے عداوت پہ عداوت نہیں کی جائے

یہ دل کہ اُسی زود فراموش پہ مائل
اور ذہن بضد اس سے محبت نہیں کی جائے

ہم اہلِ سخن ہیں تو روایت کے مطابق
مصلوب کیا جائے رعایت نہیں کی جائے

یہ لوگ تماشا ہیں تو پھر ان سے جنوں میں
کوئی بھی بیاں دل کی حکایت نہیں کی جائے

○

خامشی سے ہاری میں
جان تجھ پہ واری میں

تیرگی کے موسم میں
روشنی ---- پکاری میں

عشق میں بکھرنے تک
حوصلہ نہ ہاری میں

ڈھونڈنے وفا نکلی
قسمتوں کی ماری میں

اُس طرف زمانہ تھا
اس طرف تھی ساری میں

زندگی کی بے سمتی
دیکھ تجھ سے ہاری میں

یہ نام ممکن نہیں رہے گا، مقام ممکن نہیں رہے گا
غرور لہجے میں آگیا تو کلام ممکن نہیں رہے گا

یہ برف موسم جو شہرِ جاں میں کچھ اور لمحے ٹھہر گیا تو
لہو کا دل کی کسی گلی میں قیام ممکن نہیں رہے گا

تم اپنی سانسوں سے میری سانسیں الگ تو کرنے لگے ہو لیکن
جو کام آساں سمجھ رہے ہو وہ کام ممکن نہیں رہے گا

وفا کا کاغذ تو بھیگ جائے گا بدگمانی کی بارشوں میں
خطوں کی باتیں تو خواب ہوں گی پیام ممکن نہیں رہے گا

میں جانتی ہوں مجھے یقیں ہے اگر کبھی تو مجھے بھلا دے
تو تیری آنکھوں میں روشنی کا قیام ممکن نہیں رہے گا

یہ ہم محبت میں لاتعلق سے ہو رہے ہیں تو دیکھ لینا
دعائیں تو خیر کون دے گا سلام ممکن نہیں رہے گا

اندیشوں کے شہر میں رہنا پڑ جائے گا
بالآخر ہر دُکھ کو سہنا پڑ جائے گا

وقت کی گردش میں آئے تو جان لیا ہے
جھوٹی بات کو سچّی کہنا پڑ جائے گا

اس کی یاد کے منظر میں اب رات گئے تک
آنسو بن کر آنکھ سے بہنا پڑ جائے گا

جس لہجے کی خوشبو ہر پل ساتھ رہی ہو
اسے بھی اب بیگانہ کہنا پڑ جائے گا

تمہاری یاد کی دنیا میں دن سے رات کروں
کسی کی بات چلے میں تمہاری بات کروں

عشق کرو تو یہ بھی سوچو عرضِ سوال سے پہلے
ہجر کی پوری رات آتی ہے صبحِ وصال سے پہلے

دل کا کیا ہے دل نے کتنے منظر دیکھے لیکن
آنکھیں پاگل ہو جاتی ہیں ایک خیال سے پہلے

کس نے ریت اڑائی شب میں آنکھیں کھول کے رکھیں
کوئی ایک مثال تو دو ناں اس کی مثال سے پہلے

کارِ محبت ایک سفر ہے اس میں آ جاتا ہے
ایک زوال آثار سا رستہ بابِ کمال سے پہلے

عشق میں ریشم جیسے وعدوں اور خوابوں کا رستہ
جتنا ممکن ہو طے کر لیں گردِ ملال سے پہلے

یہ دل بھلاتا نہیں ہے محبتیں اُس کی
پڑی ہوئی تھیں مجھے کتنی عادتیں اُس کی

یہ میرا سارا سفر اس کی خوشبوؤں میں کٹا
مجھے تو راہ دکھاتی تھیں چاہتیں اُس کی

گھری ہوئی ہوں میں چہروں کی بھیڑ میں لیکن
کہیں نظر نہیں آتیں شباہتیں اُس کی

میں دور ہونے لگی ہوں تو ایسا لگتا ہے
کہ چھاؤں جیسی تھیں مجھ پر رفاقتیں اُس کی

یہ کس گلی میں یہ کس شہر میں نکل آئے
کہاں پہ رہ گئیں لوگو صداقتیں اُس کی

میں بارشوں میں جدا ہو گئی ہوں اُس سے مگر
یہ میرا دل، مری سانسیں امانتیں اُس کی

موت سے ٹکر جائیں
زندگی سے ڈر جائیں

ہجر کے سمندر کو
آؤ پار کر جائیں

راستے یہ کہتے ہیں
اب تو اپنے گھر جائیں

اک ذرا سی مہلت ہو
دل کی بات کر جائیں

شہر عشق سے آخر
کیسے معتبر جائیں

وہ پلٹ کے دیکھے تو
رنگ سے بکھر جائیں

اب اپنے فیصلے پر خود اُلجھنے کیوں لگی ہوں
ذرا سی بات پر اتنا بکھرنے کیوں لگی ہوں

وہ جس موسم کی اب تک منتظر آنکھیں تھیں میری
اسی موسم سے اب میں اتنا ڈرنے کیوں لگی ہوں

مجھے نادیدہ رستوں پر سفر کا شوق بھی تھا
تھکن پاؤں سے لپٹی ہے تو مرنے کیوں لگی ہوں

مجھے یہ چار دیواری کی رونق مار دے گی
میں اک امکان تھی منزل کا مٹنے کیوں لگی ہوں

میں جس کو کم سے کم محسوس کرنا چاہتی تھی
اُسی کی بات کو اتنا سمجھنے کیوں لگی ہوں

جو میرے دل کی گلیوں سے کبھی گزرا نہیں تھا
اب اپنے ہاتھ سے خط اس کو لکھنے کیوں لگی ہوں

بدن کی راکھ تک بھی راستوں میں ناں بچے گی
برستی بارشوں میں یوں سلگنے کیوں لگی ہوں

وہی سورج ہے دکھ کا پھر یہ ایسا کیا ہوا ہے
میں پتھر تھی تو آخر اب پگھلنے کیوں لگی ہوں

اَب کس سے کہیں اور کون سنے جو حال تمہارے بعد ہُوا
اس دل کی جھیل سی آنکھوں میں اک خواب بہت برباد ہُوا

یہ ہجر ہوا بھی دشمن ہے اس نام کے سارے رنگوں کی
وہ نام جو' میرے ہونٹوں پر خوشبو کی طرح آباد ہوا

اُس شہر میں کتنے چہرے تھے' کچھ یاد نہیں سب بھول گئے
اک شخص کتابوں جیسا تھا وہ شخص زبانی یاد ہوا

وہ اپنے گاؤں کی گلیاں تھیں دل جن میں ناچتا گاتا تھا
اب اس سے فرق نہیں پڑتا ناشاد ہوا یا شاد ہوا

بے نام ستائش رہتی تھی ان گہری سانولی آنکھوں میں
ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا دل اب جتنا بے داد ہوا

میں کن لوگوں میں ہوں کیا لکھ رہی ہوں
سخن کرنے سے پہلے سوچتی ہوں

اُداسی مشتہر ہونے لگی ہے
بھرے گھر میں تماشا ہو گئی ہوں

کبھی یہ خواب میرا راستہ تھے
مگر اب تو اذاں تک جاگتی ہوں

بس اک حرفِ یقیں کی آرزو میں
میں کتنے لفظ لکھتی جا رہی ہوں

میں اپنی عمر کی قیمت پہ تیرے
ہر اک دُکھ کا ازالہ ہو رہی ہوں

غضب کا خوف ہے تنہائیوں میں
اب اپنے آپ سے ڈرنے لگی ہوں

○

گُریز شب سے سحر سے کلام رکھتے تھے
کبھی وہ دن تھے کہ زُلفوں میں شام رکھتے تھے

تمہارے ہاتھ لگے ہیں تو جو کرو سو کرو
وگرنہ تم سے تو ہم سو غلام رکھتے تھے

ہمیں بھی گھیر لیا گھر کے زعم نے تو کھلا
کچھ اور لوگ بھی اس میں قیام رکھتے تھے

یہ اور بات ہمیں دوستی نہ راس آئی
ہوا تھی ساتھ تو خوشبو مقام رکھتے تھے

نجانے کون سی رُت میں بچھڑ گئے وہ لوگ
جو اپنے دل میں بہت احترام رکھتے تھے

وہ آ تو جاتا کبھی، ہم تو اُس کے رستوں پر
دیئے جلائے ہوئے صبح و شام رکھتے تھے

بہت تاریک صحرا ہو گیا ہے
ہَوا کا شور گہرا ہو گیا ہے

کسی کے لمس کا یہ معجزہ ہے
بدن سارا سنہرا ہو گیا ہے

یہ دل دیکھو کہ جس کے چار جانب
تری یادوں کا پہرہ ہو گیا ہے

وہی ہے خال و خد میں روشنی سی
پہ تل آنکھوں کا گہرا ہو گیا ہے

کبھی اس شخص کو دیکھا ہے تم نے
محبت میں سنہرا ہو گیا ہے

تمہیں خبر ہی نہیں کیسے سر بچایا ہے
عذاب جاں پہ سہا ہے تو گھر بچایا ہے

تمام عمر تعلق سے مُنحرف بھی رہے
تمام عمر اِسی کو مگر بچایا ہے

بدن کو برف بناتی ہوئی فضا میں بھی
یہ معجزہ ہے کہ دستِ ہنر بچایا ہے

سحر ہوئی تو مرے گھر کو راکھ کرتا گیا
وہ اک چراغ جسے رات بھر بچایا ہے

کچھ ایسی صورتِ حالات ہو گئی دل کی
جنوں کو ترک کیا اور ڈر بچایا ہے

یقینِ شہرِ ہنر بے یقین موسم میں
بہت کٹھن تھا بچانا مگر بچایا ہے

قبولیت کا گلہ نہیں ہے
کہ لب پہ کوئی دعا نہیں ہے

عذابِ جاں کا صلہ نہ مانگو
ابھی تمہیں تجربہ نہیں ہے

اداس چہرے، سوال آنکھیں
یہ میرا شہرِ وفا نہیں ہے

یہ بستیاں جس نے راکھ کر دیں
چراغ تھا وہ، ہوا نہیں ہے

کوئی تو لمحہ سکون کا بھی
یہ زندگی ہے، سزا نہیں ہے

لہو تک آنکھ سے اب بہہ لیا ہے
بہت تھا جبر لیکن سہہ لیا ہے

عذاب ہجر اب واپس پلٹ جا
بہت دن ساتھ میرے رہ لیا ہے

نمی آنکھوں سے جاتی ہی نہیں ہے
ستم اس دل نے اتنا سہہ لیا ہے

یہ دل کوئی ٹھکانہ چاہتا ہے
بہت دن راستوں میں رہ لیا ہے

تجھے کہنا تھا جو احوال دل کا
در و دیوار سے ہی کہہ لیا ہے

حصارِ لفظ و بیاں میں گُم ہوں
ابھی تری داستاں میں گُم ہوں

میں دیکھ سکتی ہوں دوستوں کو
مگر صفِ دشمناں میں گُم ہوں

بدن کا اپنا عذاب ہے اور
اسی عذابِ زیاں میں گُم ہوں

یہ لوگ گھر کہہ رہے ہیں جس کو
میں ایک ایسے مکاں میں گُم ہوں

کہاں وہ لذت مسافتوں کی
میں منزلوں کے نشاں میں گُم ہوں

خبر نہیں موجِ دشتِ جاں کی
ہوا ہوں اور بادباں میں گُم ہوں

ابھی کہاں فرصتِ محبت
ابھی میں کارِ جہاں میں گُم ہوں

دل کی منزل اُس طرف ہے گھر کا رستہ اِس طرف
ایک چہرہ اُس طرف ہے ایک چہرہ اِس طرف

روشنی کے استعارے اس کنارے رہ گئے
اب تو شب میں کوئی جگنو ہے نہ تارا اس طرف

تم ہَوا ان کھڑکیوں سے صرف اتنا دیکھنا
اس نے کوئی خط کسی کے نام لکھا اِس طرف

یہ محبت بھی عجب تقسیم کے موسم میں ہے
سارا جذبہ اس طرف ہے صرف لہجہ اِس طرف

ماں نے کوئی خوف ایسا رکھ دیا دل میں مرے
سچ کبھی میں بول ہی پائی نہ پُورا اس طرف

ایک ہلکی سے چبھن احساس کو گھیرے رہی
گفتگو میں جب تمہارا ذکر آیا اِس طرف

صرف آنکھیں کانچ کی باقی بدن پتھر کا ہے
لڑکیوں نے کس طرح کا روپ دھارا اِس طرف

اے ہَوا اے میرے دل کے شہر سے آتی ہَوا
تجھ کو کیا پیغام دے کر اس نے بھیجا اِس طرف

کس طرح کے لوگ ہیں یہ کچھ پتہ چلتا نہیں
کون کتنا اس طرف ہے کون کتنا اس طرف

محبت یاد رکھتی ہے

وصال و ہجر میں
یا خواب سے محروم آنکھوں میں
کسی عہدِ رفاقت میں
کہ تنہائی کے جنگل میں
خیالِ خال و خد کی روشنی کے گہرے بادل میں
چمکتی دھوپ میں یا پھر
کسی بے ابر سائے میں
کہیں بارش میں بھیگے جسم و جاں کے نثرپاروں میں
کہیں ہونٹوں پہ شعروں کی مہکتی آبشاروں میں

چراغوں سے سجی شاموں میں
یا بے نُور راتوں میں
سحر ہو رُونما جیسے کہیں باتوں ہی باتوں میں
کوئی لپٹا ہوا ہو جس طرح
صندل کی خوشبو میں
کہیں پر تتلیوں کے رنگ تصویریں بناتے ہوں
کہیں پر جگنوؤں کی مٹھیوں میں روشنی خود کو چھپاتی ہو
کہیں کیسا ہی منظر ہو
کہیں کیسا ہی موسم ہو
ترے سارے حوالوں کو
تری ساری مثالوں کو
محبت یاد رکھتی ہے

خواب

سفر آسان لگتا تھا
دلِ برباد تجھ کو یہ سفر آسان لگتا تھا
ادھر تو سوچتا تھا اور ادھر
آنکھوں سے کوئی خواب چہرہ آن لگتا تھا
مگر خوابوں میں رہنا
خواب جیسی بے حقیقت خوشبوئے صحرا میں رہنا ہے
کناروں سے جو ہو محروم
اس دریا میں رہنا ہے
دلِ برباد ہم نے تو کہا تھا
یہ سفر آسان لگتا ہے
مگر آنکھیں بدن سے چھین لیتا ہے

محبت میں کہیں کم ہو گیا ہے
مرا تجھ پر یقیں کم ہو گیا ہے

ضمیرِ عالمِ انسانیت

ضمیرِ عالمِ انسانیت خبر ہے تجھے
شرار و شعلہ کی زد میں ہے وادیٔ کشمیر

تجھے خبر ہے کہ جنت نشان یہ وادی
لہو لہو ہوئی جاتی ہے دستِ قاتل سے
جہاں یہ روشنی خوشبو بکھیرتی تھی کبھی
وہاں پہ خاک ہوئی جا رہی ہے آزادی
وہ پھول اگاتی زمیں اور وہ گیت گاتی زمیں
وفا کے رنگ محبت سے مسکراتی زمیں
کہ جس کے خواب بھی روشن، نگاہ بھی روشن

که جس کے راستے دل سے گزر کے جاتے ہیں
وہ دلفریب' دل آویز' دلربا منظر
گزرنے والوں کے دل میں اترتے جاتے ہیں
ضمیرعالم انسانیت خبر ہے تجھے
وہ منظروں میں جو منظر تھے بجھتے جاتے ہیں
وہ پھول سوکھتے اور گیت مرتے جاتے ہیں
ضمیرعالم انسانیت خبر ہے تجھے

شرار و شعلہ کی زد میں ہے وادیٔ کشمیر
تجھے خبر ہے کہ جنت نشان یہ وادی
لہو لہو ہوئی جاتی ہے دستِ قاتل سے
یہ دستِ قتل وفا جتنا بڑھتا جائے گا
ترے وقار کی گردن تلک بھی آئے گا
ضمیرِ عالمِ انسانیت سنبھال اسے
شرار و شعلہ کی زد میں ہے وادیٔ کشمیر

مجھ کو رُسوا سرِ محفل تو نہ کروایا کرے
کاش آنسو مری آنکھوں میں ہی رہ جایا کرے

اے ہَوا میں نے تو بس اس کا پتہ پوچھا تھا
اب کہانی تو نہ ہر بات کی بن جایا کرے

بس بہت دیکھ لیے خواب سہانے دن کے
اب وہ باتوں کی رفاقت سے نہ بہلایا کرے

اک مصیبت تو نہیں ٹوٹی سو اب اس دل سے
جس قیامت نے گزرنا ہے گزر جایا کرے

دل نے اب سوچ لیا ہے کہ یہ ظالم دنیا
جو بھی کرنا ہے کرے مجھ کو نہ الجھایا کرے

جس کے خوابوں کو میں آنکھوں میں سجا کر رکھوں
اس کی خوشبو کبھی مجھ کو بھی تو مہکایا کرے

یہ عمر بھر کا سفر اور یہ رائیگانی تری
کہاں گئی اے میرے دل وہ خوش گمانی تری

یہاں پہ کون اندھیروں میں ساتھ چلتا ہے
تو اب بھی ساتھ مرے ہے یہ مہربانی تری

تجھے خبر نہیں ہم دیکھ کر بہت روئے
نئی کتاب میں تصویر اک پرانی تری

ابھی سے آبلے پڑنے لگے ہیں پاؤں میں
ابھی تو دور ہے منزل سفر کہانی تری

بھلائے بیٹھے ہیں اور اپنے حال میں خوش ہیں
تو آ کے دیکھ کبھی ہم نے بات مانی تری

○

ہمارے بس میں اگر اپنے فیصلے ہوتے
تو ہم کبھی کے گھروں کو پلٹ گئے ہوتے

قریب رہ کے سلگنے سے کتنا بہتر تھا
کسی مقام پہ ہم تم بچھڑ گئے ہوتے

کبھی تو ریت کو ہم مٹھیوں میں بھر لیتے
کبھی ہواؤں سے اپنے مکالمے ہوتے

ہمارے نام پہ کوئی چراغ تو جلتا
کسی زباں پہ ہمارے بھی تذکرے ہوتے

ہم اپنا کوئی الگ راستہ بنا لیتے
ہمارے دل نے اگر حوصلے کیے ہوتے

تہمتیں تو لگتی ہیں

تہمتیں تو لگتی ہیں
روشنی کی خواہش میں
گھر سے باہر آنے کی کچھ سزا تو ملتی ہے

لوگ لوگ ہوتے ہیں
ان کو کیا خبر جاناں!
آپ کے ارادوں کی خوبصورت آنکھوں میں
بسنے والے خوابوں کے رنگ کیسے ہوتے ہیں
دل کی گود آنگن میں پلنے والی باتوں کے
زخم کیسے ہوتے ہیں
کتنے گہرے ہوتے ہیں

کب یہ سوچ سکتے ہیں
ایسی بے گناہ آنکھیں
گھر کے کونے کھدروں میں چھپ کے کتنا روتی ہیں

پھر بھی یہ کہانی سے
اپنی کج بیانی سے
اس قدر روانی سے داستاں سناتے ہیں
اور یقین کی آنکھیں
سچ کے غمزدہ دل سے لگ کے رونے لگتی ہیں

تہمتیں تو لگتی ہیں
روشنی کی خواہش میں
تہمتوں کے لگنے سے
دل سے دوست کو جاناں
اب نڈھال کیا کرنا
تہمتوں سے کیا ڈرنا

کُل اثاثہ تھا اِک دیا لوگو
اور اب وہ بھی بجھ گیا لوگو

ہم نے چپ چاپ ہار مانی تھی
تم نے تو شور کر دیا لوگو

ساتھ رہ کر بھی کتنا نادم تھا
کب تلک جھوٹ بولتا لوگو

وہ بھی خاموش تھا جدائی پر
ہم نے بھی ضبط کر لیا لوگو

زندگی کا سفر تمہارے بغیر
آخر کار کٹ گیا لوگو

ہم نے اک روز لوٹ آنا تھا
کوئی تو راہ دیکھتا لوگو

کیا بتائیں کیوں دیئے دمساز نے
زخم تنہائی مرے ہمراز نے

اس کہانی کو ملے انجام کیا
جس کو رسوا کر دیا آغاز نے

شہر کو کچھ اور عنواں دے دیئے
میری لغزش اور ترے انداز نے

کس یقیں اور کس تسلسل سے دیئے
دل کو دھوکے اس محبت باز نے

کتنا سندر کتنا کومل کر دیا
میرے گیتوں کو تری آواز نے

لطف سوگواری میں
غم کی آبیاری میں

ہم ملے محبت کی
پہلی برف باری میں

گھر سے کون نکلے گا
اتنی سنگ باری میں

اک سکون شامل ہے
دل کی بے قراری میں

عمر ساری گزری ہے
کتنی سوگواری میں

اک فریب لگتا ہے
اس کی انکساری میں

پلٹ کر پھر کبھی اس نے پکارا ہی نہیں ہے
وہ جس کی یاد سے دل کو کنارا ہی نہیں ہے

محبت کھیل ایسا تو نہیں ہم لوٹ جائیں
کہ اس میں جیت بھی ہو گی خسارا ہی نہیں ہے

کبھی وہ جگنوؤں کو مٹھیوں میں قید کرنا
مگر اب تو ہمیں یہ سب گوارا ہی نہیں ہے

اَب اس کے خال و خد کا ذکر کیا کرتے کسی سے
کہ ہم پر آج تک وہ آشکارا ہی نہیں ہے

یہ خواہش تھی کہ ہم کچھ دور تک تو ساتھ چلتے
ستاروں کا مگر کوئی اشارا ہی نہیں ہے

بہت سے زخم کھائے دل نے آخر طے کیا ہے
تمہارے شہر میں اپنا گزارا ہی نہیں ہے

محبت کم نہیں ہو گی

مری آنکھیں سلامت ہیں
مرا دل میرے سینے میں دھڑکتا ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
محبت کم نہیں ہو گی

محبت ایک وعدہ ہے
جو سچّائی کی ان دیکھی کسی ساعت میں ہوتا ہے
کسی راحت میں ہوتا ہے
یہ وعدہ شاعری بن کر مرے جذبوں میں ڈھلتا ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
محبت کم نہیں ہو گی

محبت ایک موسم ہے
کہ جس میں خواب اُگتے ہیں تو خوابوں کی ہری
شاخیں
گلابوں کو بلاتی ہیں
انہیں خوشبو بناتی ہیں

یہ خوشبو جب ہماری کھڑکیوں پر دستکیں دے کر
گزرتی ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
محبت کم نہیں ہوگی

ہجر سہنے کی غم شناسی کی
آخری شام ہے اُداسی کی

تیری باتوں کو معتبر جانا
ہم نے لغزش نہیں ذرا سی کی

یوں ہوائیں تھکی کب تھیں
کیفیت آج ہے اُداسی کی

میری تاریخ کے بدن تجھ کو
اب ضرورت ہے بے لباسی کی

وہ حرف حرف مری روح میں اُترتا گیا
جو بات کرتا گیا اور اُداس کرتا گیا

عمر رائیگاں کر دی تب یہ بات مانی ہے
موت اور محبت کی ایک ہی کہانی ہے

کھیل جو بھی تھا جاناں اب حساب کیا کرنا
جیت جس کسی کی ہو ہم نے ہار مانی ہے

وصل پر بھی نادم تھے ہجر پر بھی شرمندہ
وہ بھی رائیگانی تھی یہ بھی رائیگانی ہے

یہ مرا ہنر تیری خوشبوؤں سے وابستہ
میرے سارے لفظوں پر تیری حکمرانی ہے

جانے کون شہزادہ کب چرا کے لے جائے
وہ جو اپنے آنگن میں خوشبوؤں کی رانی ہے

بشارت

سنو!
جب خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں گے
اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو
سنو، تم بھی ذرا دیکھو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے

نئے اک سرخرو دن کے سہانے خواب
دیکھے ہیں
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دن کی دھنک
کرنوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں

تم سے کچھ نہیں کہنا

ہم نے سوچ رکھا ہے
چاہے دل کی ہر خواہش
زندگی کی آنکھوں سے اشک بن کے
بہہ جائے
چاہے اب مکینوں پر
گھر کی ساری دیواریں چھت سمیت گر جائیں
اور بے مقدر ہم
اس بدن کے ملبے میں خود ہی کیوں نہ دب جائیں
تم سے کچھ نہیں کہنا

کیسی نیند تھی اپنی، کیسے خواب تھے اپنے
اور اب گلابوں پر
نیند والی آنکھوں پر
نرم خو سے خوابوں پر
کیوں عذاب ٹوٹے ہیں
تم سے کچھ نہیں کہنا

گھر گئے ہیں راتوں میں
بے لباس باتوں میں
اس طرح کی راتوں میں
کب چراغ جلتے ہیں، کب عذاب ٹلتے ہیں
اب تو ان عذابوں سے بچ کے بھی نکلنے کا راستہ نہیں جاناں!
جس طرح تمہیں سچ کے لازوال لمحوں سے واسطہ نہیں جاناں!
ہم نے سوچ رکھا ہے تم سے کچھ نہیں کہنا

آخری خواہش

مرے ساتھی
مری یہ روح میرے جسم سے پرواز کر جائے
تو لوٹ آنا
مری بے خواب راتوں کے عذابوں پر
سسکتے شہر میں تم بھی
ذرا سی دیر کو رکنا
مرے بے نور ہونٹوں کی دعاؤں پر
تم اپنی سرد پیشانی کا پتھر رکھ کے رو دینا
بس اتنی بات کہہ دینا
"مجھے تم سے محبت ہے"

میں تو ایک قدم چل کر ہی روح تلک تھک جاتی ہوں
سوچتی ہوں تم اپنے آپ سے اتنا کیسے بھاگتے ہو

میری آنکھوں کو سوجھتا ہی نہیں
یا مقدر میں راستہ ہی نہیں

وہ بھرے شہر میں کسی سے بھی
میرے بارے میں پوچھتا ہی نہیں

پھر وہی شام ہے وہی ہم ہیں
ہاں مگر دل میں حوصلہ ہی نہیں

ہم چلے اس کی بزم سے اٹھ کر
اور وہ ہے کہ روکتا ہی نہیں

دل جو اک دوست تھا مگر وہ بھی
چپ کا پتھر ہے بولتا ہی نہیں

میں تو اس کی تلاش میں گم ہوں
وہ کبھی مجھ کو ڈھونڈتا ہی نہیں

بے نام اُلجھن

یہ کیا بے نام اُلجھن ہے
نجانے آگہی اور خواب کے مابین کیسا مسئلہ ہے
کہ ہر تخلیق سے پہلے
عجب اک خوف دل کو گھیر لیتا ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
میں اپنی آخری تحریر لکھنے جا رہی ہوں

سخن کی شب کے ماتھے پر
وہ میرے نام کے جتنے ستارے تھے

وفا کے استعارے تھے
سب اپنی عمر پوری کر چکے ہیں

یہی دھڑکا سا رہتا ہے
کہ جتنے شعر لکھے تھے
جنہیں میں
اپنے ہونے کی گواہی کی طرح محسوس کرتی تھی
یہ اب لکھے نہ جائیں گے
یہ اب سوچے نہ جائیں گے
مری نظمیں
جو اب تک آرزوؤں کا سنہرا عکس بن کر جھلملاتی تھیں
محبت کی زمینوں پر اترتے
ہجر کے اور وصل کے سب موسموں کی بات کرتی تھیں
انہیں تحریر کرنے کا ہنر بھی بھول جاؤں گی

گماں یہ بے ثباتی کا
یقیں بن بن کے ہر لمحہ
بڑی شدت سے میرے ذہن کا دامن ہلاتا ہے

یہی باور کراتا ہے
کہ حرف و لفظ کا جتنا اثاثہ تھا
فنا کی سرحدوں پر ہے
سخن سچائی کا سارا تفاخر ٹوٹنے کو ہے
محبت روٹھنے کو ہے

یہ کیا بے نام الجھن ہے
کہ ہر تخلیق سے پہلے
عجب اک خوف دل کو گھیر لیتا ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
میں اپنی آخری تحریر لکھنے جا رہی ہوں

خرچ اتنا بھی نہ کر مجھ کو زمانے کے لئے
کچھ تو رہ جاؤں میں کام اپنے بھی آنے کے لئے

اشک اپنی آنکھوں سے خود بھی ہم چھپائیں گے
تیرے چاہنے والے شور کیا مچائیں گے

صبح کی ہوا تجھ کو وہ ملے تو کہہ دینا
شام کی منڈیروں پر ہم دیئے جلائیں گے

ہم نے کب ستاروں سے روشنی کی خواہش کی
ہم تمہاری آنکھوں سے شب کو جگمگائیں گے

تجھ کو کیا خبر جاناں ہم اداس لوگوں پر
شام کے سبھی منظر انگلیاں اٹھائیں گے

ہم تری محبت کے جگنوؤں کی آمد پر
تتلیوں کے رنگوں سے راستے سجائیں گے

لفظ بھی کوئی اس کا ساتھ نہ دیتا تھا
جیسے کوئی وصل کی رات کا قصہ تھا

بستی کے اس پار کہیں پر رات ڈھلے
لمبی چیخ کے بعد کوئی سناٹا تھا

جس کو اپنا گھر سمجھے تھے وہ تو محض
دیواریں تھیں اور ان میں دروازہ تھا

ہم نے اسے بھی لفظوں میں زنجیر کیا
بادل جیسا جو آوارہ پھرتا تھا

منزل کو سر کرنے والے لوگوں نے
رستوں کا بھی ہر اندیشہ دیکھا تھا

کیسے دن ہیں اس کا چہرہ دیکھ کے ہم
سوچ رہے ہیں پہلے کہاں پہ دیکھا تھا

یہ گئے دنوں کا ملال ہے

مرے دشمنوں سے کہو کوئی
کسی گہری چال کے اہتمام کا سلسلہ ہی فضول ہے
کہ شکست یوں بھی قبول ہے
کبھی حوصلے جو مثال تھے
وہ نہیں رہے
مرے حرف کے جسم پر
جو معانی کے پر و بال تھے وہ نہیں رہے
مری شاعری کے جہان کو
کبھی تتلیوں، کبھی جگنوؤں سے سجائے پھرتے
خیال تھے
وہ نہیں رہے
مرے دشمنوں سے کہو کوئی

وہ جو شام شہر وصال میں
کوئی روشنی سی لئے ہوئے کسی لب پہ جتنے سوال تھے
وہ نہیں رہے
جو وفا کے باب میں وحشتوں کے کمال تھے' وہ نہیں رہے
مرے دشمنوں سے کہو کوئی
وہ کبھی جو عہد نشاط میں
مجھے خود پہ اتنا غرور تھا کہیں کھو گیا
وہ جو فاتحانہ خمار میں
مرے سارے خواب نہال تھے
وہ نہیں رہے
کبھی دشت لشکر شام میں
مرے سرخرو مہ و سال تھے' وہ نہیں رہے
کہ بس اب تو دل کی زبان پر
فقط ایک قصۂ حال ہے ------------- جو
نڈھال ہے
جو گئے دنوں کا ملال ہے
مرے دشمنوں سے کہو کوئی

جانے کیسے سنبھال کر رکھے
سب ارادے سنبھال کر رکھے

کچھ نئے رنگ ہیں محبت کے
کچھ پرانے سنبھال کر رکھے

موسم عشق تیری بارش میں
خط جو بھیگے سنبھال کر رکھے

جن کی خوشبو اداس کرتی تھی
وہ بھی گجرے سنبھال کر رکھے

تجھ سے ملنے کے اور بچھڑنے کے
سارے خدشے سنبھال کر رکھے

جب ہوا کا مزاج برہم تھا
ہم نے پتّے بنبھال کر رکھے

آرزو کے حسین پنجرے میں
کچھ پرندے سنبھال کر رکھے

ہم نے دل کی کتاب میں تیرے
سارے وعدے سنبھال کر رکھے

تیرے دکھ کے تمام ہی موسم
اے زمانے سنبھال کر رکھے

میرے خوابوں کو راکھ کر ڈالا
اور اپنے سنبھال کر رکھے

بدن کی سر زمین پر تو حکمران اور ہے
مگر جو دل میں بس رہا ہے مہربان اور ہے

جو مجھ سے منسلک ہوئیں کہانیاں کچھ اور تھیں
جو دل کو پیش آئی ہے وہ داستان اور ہے

یہ مرحلہ تو سہل تھا محبتوں میں وصل کا
ابھی تمہیں خبر نہیں اک امتحان اور ہے

وہ دن کدھر گئے مرے وہ رات کیا ہوئی مری
یہ سر زمیں نہیں ہے وہ یہ آسمان اور ہے

وہ جس کو دیکھتے ہو تم ضرورتوں کی بات ہے
جو شاعری میں ہے کہیں وہ خوش بیان اور ہے

جو سائے کی طرح سے ہے وہ سایہ دار بھی تو ہے
مگر ہمیں ملا ہے جو وہ سائباں اور ہے

کوئی نظم ایسی لکھوں کبھی

کوئی نظم ایسی لکھوں کبھی
تری بات بات کی روشنی
مرے حرف حرف میں بھر سکے
ترے لمس کی یہ شگفتگی
مرے جسم و جاں میں اتر سکے
کوئی چاندنی، کسی گہرے رنگ کے راز کی
مرے راستوں میں بکھر سکے

تری گفتگو سے بناؤں میں
کوئی داستاں کوئی کہکشاں
ہوں محبتوں کی تمازتیں بھی کمال طرح سے مہرباں
ترے بازوؤں کی بہار میں
کبھی جھولتے ہوئے گاؤں میں
تری جستجو کے چراغ کو سرِ شام دل میں جلاؤں میں
اسی جھلملاتی سی شام میں
لکھوں نظم جو ترا روپ ہو
کہیں سخت جاڑوں میں ایک دم جو چمک اٹھے
کوئی خوشگوار سی دھوپ ہو

جو وفا کی تال کے رقص کا
کوئی جیتا جاگتا عکس ہو

کوئی نظم ایسی لکھوں کبھی
کہ ہر ایک لفظ کے ہاتھ میں
ترے نام کے
ترے حرف تازہ کلام کے
کئی راز ہوں

جنہیں منکشف بھی کروں اگر
تو جہانِ شعر کے باب میں
مرے دل میں رکھی کتاب میں
ترے چشم و لب بھی چمک اٹھیں
مجھے روشنی کی فضاؤں میں کہیں گھیر لیں
کوئی نظم ایسی لکھوں کبھی

حقیقتوں کا تصور محال لگتا ہے
کسی کی یاد میں رہنا کمال لگتا ہے

ہر اک لمحہ نیا اک امتحاں ہے
بہت نامہرباں یہ آسماں ہے

دلوں پر برف گرتی جا رہی ہے
بدن کا تجربہ بھی رائیگاں ہے

میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں
بتاؤ تو سہی وہ اب کہاں ہے

انا کی ریت شامل ہو گئی ہے
ہوا سے گفتگو اب رائیگاں ہے

مجھے اس کا یقیں ہرگز نہیں تھا
مری جانب سے اتنا بدگماں ہے

محبت اِک ندامت بن گئی ہے
ہماری مختصر سی داستاں ہے

راستوں میں رہے نہ گھر میں رہے
عُمر بھر حالتِ سفر میں رہے

لفظ سارے چراغ بن جائیں
وصف ایسا مرے ہُنر میں رہے

زہر سارا شجر میں آ جائے
اے خدا زندگی ثمر میں رہے

اس لئے گردشوں کو پالا ہے
کوئی تو حلقۂ اثر میں رہے

اک زمانہ گھروں میں تھا آباد
بے گھری ہم تری نظر میں رہے

وہ تیرگی تھی کہ لفظوں کو راستہ نہ ملا
کوئی چراغ قبیلہ مرے ہنر کے لئے

دل پر ہوتے جبر ابھی دیکھے ہی نہیں ہیں
تم نے اہلِ صبر ابھی دیکھے ہی نہیں ہیں

سوچ رہے ہیں صبح تلک اک بار بھی آنکھ نہیں جھپکی
ابھی تو تیرے ہجر میں ہم نے پہلی رات گزاری ہے

قریب تھا تو کسے فرصتِ محبّت تھی
ہوا ہے دور تو اس کی وفائیں یاد آئیں

آج دیکھو زمیں کے سینے پر
اس کے چہرے کی دھوپ پھیلی ہے

خیال و خواب کے منظر سجانا چاہتا ہے
یہ دل جینے کا اک تازہ بہانہ چاہتا ہے

روشنیوں کے سارے منظر جھوٹے لگتے ہیں
لیکن اس کی آنکھ کے آنسو سچے لگتے ہیں

اک چادرِ سخن ہی بچا کر نکل چلیں
رستہ ملے تو شہر سے باہر نکل چلیں

مرقدِ عشق پہ اب اور نہ رویا جائے
رات کا پچھلا پہر ہے چلو سویا جائے